© rasailojaraid.com

خطبۂ تبوک

(۳)

عبدالقدوس ہاشمی

(۱۷) شر المعذرۃ حین یحضر الموت۔

انتہائی بری عذر خواہی (توبہ) اس وقت کی توبہ ہے جب موت سامنے آجائے۔

یہ فقرہ قرآن مجید کی آیت ۱۷ - ۱۸ سورۂ النساء کے مطابق ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :-

انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليماً حكيما.

جس توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ صرف ان لوگوں کی توبہ ہے جو نادانی سے برا کام کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کرلیتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے، اور اللہ صاحب علم و حکمت ہے۔

وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا حضر احدهم الموت قال انى تبت الآن و لا الذين يموتون وهم كفار، اولئك اعتدنا لهم عذاباً اليما۔

توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کرتے رہتے ہیں حتی کہ جب موت ان میں سے کسی کے سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کے لئے (توبہ) ہے جو کفر ہی کی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مرجاتے ہیں، یہ ہیں وہ لوگ
جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب
تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایک شخص کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے خالق کے حضور عاجزی کے ساتھ اس کا اقرار کیا کہ وہ پھر ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ موت کو سامنے پاکر توبہ کیا توبہ ہوئی، اس وقت تو مرنے والے کو اس کا یقین ہوجاتا ہے کہ اب وہ دنیا میں نہیں رہے گا۔ اس یقین کے بعد اس اقرار کے کیا معنی باقی رہ جاتے ہیں کہ اب آیندہ یہ غلطی نہیں کرے گا۔ اسے تو یہ یقین حاصل ہوچکا کہ اب وہ نہ غلط عمل کرسکے گا اور نہ صحیح۔ کسی قسم کا عمل کر ہی نہیں سکتا تو آیندہ کے کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کا اقرار محض دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ رہا یہ خیال کہ خداوند تعالی بڑا رحیم و غفور ہے۔ شاید موت کے وقت کی توبہ بھی قبول فرمالے بلکہ یہ امید کہ اللہ تعالی قبول کرلے گا، امید کی ایک کرن ضرور ہے مگر کسی کا موت کے وقت توبہ کرنا توبہ کی یقیناً سب سے بری قسم ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ جس وقت گناہ کا احساس ہوجائے فوراً توبہ کرلے اور سچے دل سے اپنے خالق کے حضور میں اس کا عہد کرے کہ وہ آیندہ گناہ نہیں کرے گا۔ موت کے وقت تک انتظار کرنا اور گناہ کی زندگی بسر کرتے رہنا اللہ تعالی کی رحمت اور اس کی غفاری کے ساتھ استہزاء اور مذاق کے برابر ہے۔ پھر یہ کسے معلوم ہے کہ موت کے وقت توبہ کی فرصت میسر آئے گی یا نہیں آئے گی۔ ہزاروں آدمی طبعیاتی حوادث کے شکار ہوجاتے ہیں۔ ہزاروں کو اچانک موت آجاتی ہے۔ ہزاروں بیماری میں مرجاتے ہیں، اور ہزاروں ہی بےہوشی اور سکتہ کے بعد دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ انھیں کہاں موقع ملتا ہے کہ توبہ کرکے دنیا سے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توبہ کرنے کے اخروی فوائد تو ہمیں مرنے کے بعد ہی حاصل ہوسکتے ہیں لیکن توبہ کا دنیوی فائدہ یہ ہے کہ ہمیں توبہ کے بعد اپنی زندگی کو زیادہ بہتر سانچہ میں ڈھالنے اور عقاید و اعمال کو سنوارنے کا موقع میسر آجاتا ہے۔ یہ فائدہ موت کے وقت کی توبہ سے کس طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ تو زندگی کے اختتام کے وقت کی جاتی ہے۔ اب آیندہ زندگی ہے کہاں جسے ہم بہتر سانچہ میں ڈھالیں اور سنوار کر اچھی زندگی بنائیں۔

(۱۸) وشر الندامة يوم القيامة — اور سب سے بری ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔

جب کوئی شخص کوئی برا کام کر بیٹھتا ہے تو اسے دنیا میں ندامت ہوتی ہے بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روپوش ہوجاتا ہے۔ اپنا وطن چھوڑ کر کہیں دور دراز مقام پر اقامت پذیر ہوجاتا ہے جہاں کے لوگ اس کے برے کام سے واقف نہ ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ندامت کی شدت میں وہ خودکشی کر بیٹھتا ہے۔ ایسے واقعات ہر روز ہوتے رہتے ہیں اور ہر ملک و ہر معاشرے میں ہوتے رہتے ہیں۔

اب ذرا قیامت کے میدان کا تصور کیجئے جہاں سے روپوشی بھی ممکن نہیں اور جس میدان میں خودکشی بھی نہیں کی جاسکتی۔ جہاں ہماری ذلت و رسوائی کے دیکھنے کو ساری اولاد آدم موجود ہوگی جہاں ہمارے باپ دادا بھی ہوں گے۔ ہم کو اچھا سمجھنے والے دوست اور احباب بھی ہوں گے، ہمیں اپنا بزرگ اور بڑا ماننے والے ہمارے بچے، اور پوتے پوتیاں بھی ہوں گی۔ ہمیں نیکوکار اور ولی اللہ جاننے والے شاگرد اور عقیدت مند بھی ہوں گے، اس میدان میں ندامت سے ہم عرق عرق ہوں گے۔ اور اپنا گناھگار چہرہ کسی سے چھپا بھی نہ سکیں گے۔

اللہ کی پناہ ! کیسی ندامت ہوگی اور کتنی بری ندامت ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبر کی مٹی میں یاں تو عیب سارے چھپ گئے
حشر کی محفل میں رسوائی سے کیونکر ہو نجات

(۹۱) و من الناس من لا یاتی الجمعة الادبرا۔
اور کچھ لوگ وہ ہیں جو جمعہ میں نہیں آتے مگر بڑی دیر سے۔

(۹۲) ومن لا یذکر اللہ الا ھجرا۔
اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو نہیں یاد کرتے مگر کبھی کبھی

ان دو فقروں کو ایک ساتھ ملاکر اس لئے بیان کیا گیا کہ ان دونوں کا تعلق آدمی کی ایک ھی نفسی کیفیت سے ہے۔ آدمی کی کیفیت یہ ہے کہ جس مقصد کو وہ جس قدر عزیز رکھتا ہے اسی قدر اس کی یاد اس کے دل میں قایم رہتی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے وہ اسی قدر اہتمام کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں سستی و بے پرواھی کا اس سے ظہور نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک امیدوار کو دیکھئے جب اسے بہ سلسلۂ تقرر ملاقات کے لئے بلایا جاتا ہے تو حتی الامکان وہ مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ھی حاضر ہوجاتا ہے۔ لیکن جب اس کا تقرر کسی عہدہ پر ہوجاتا ہے تو چند دنوں کے بعد ھی اس کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ دیر سے دفتر میں حاضر ہونا تقریباً معمول بن جاتا ہے۔ اسی طرح وہ آدمی جسے کسی مقدمہ میں حاضر ہونا ہوتا ہے حتی الامکان کبھی دیر سے نہیں آتا۔ امتحان ہال میں طلبہ کی حاضری اور مسافروں کی ریلوے اسٹیشنوں پر موجودگی پر غور کیجئے تو یہ کلیہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ دیر سے حاضر ہونے والے کا ذہن در حقیقت کام اور مقصد کی طرف سے غافل ہوتا ہے۔ ورنہ انسان ھر اس موقع پر قبل از وقت حاضری کی کوشش کرتا ہے جہاں پر حاضر ہونا اسے اہم نظر آتا ہے یا وہاں پر حاضری سے اس کے قلب و دماغ کو مسرت و طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

اب سوچئے کہ جو شخص جمعہ کے لئے ہمیشہ ھی بڑی دیر سے آیا کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

، کے دل و دماغ کی کیفیت کیا ہوگی، اور جمعہ کی حاضری اس کو کس قدر
ر اور کتنی غیر اہم نظر آتی ہوگی۔

اسی نفسی کیفیت کو دوسرے فقرہ میں اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ
کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو نہیں یاد کرتے مگر کبھی کبھی،، یہاں اللہ کی
اد سے مراد کوئی ذکر جلی یا ذکر خفی نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ
کسی کسی وقت ان کو اللہ تعالی اور اس کی طرف سے عاید کئے ہوئے فرایض
یاد تو آتے ہیں مگر وہ ہمیشہ یہ یاد نہیں رکھتے کہ اس وقت اور اس موقع
کے لئے اللہ تعالی کا حکم کیا ہے۔ ورنہ وہ غفلت میں مبتلاء نہ ہوجاتے اور
صحیح وقت پر بلکہ دوچار منٹ پہلے ہی جمعہ کے لئے حاضر ہوجاتے۔ اللہ تعالی
کا حکم یہی ہے کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو کاروبار کو
چھوڑ دو اور اللہ کی یاد کی طرف تیزی سے چل پڑو۔

جس وقت کے لئے اللہ تعالی کا جو حکم ہے اسے ہر وقت بجالانے کا نام
عبادت ہے۔ مثلاً رمضان کے دنوں میں کھانے پینے سے رک جانے اور روزہ
رکھنے کا حکم ہے۔ اور عید کے دن کھانے کا حکم ہے اسلئے رمضان میں روزے
عبادت ہیں اور عید کے دن کھانا عبادت ہے۔

آدمی کے لئے بھلائی اسی میں ہے کہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھے۔
جس وقت کے لئے جو حکم ہے اسے بجالائے۔ اللہ تعالی کی یاد سے ایک لحظہ
کی غفلت انسان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ محرومی کا شکار بنا دیتی ہے۔
دنیا میں اسے قدم قدم پر ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے اور آخرت میں شدید مؤاخذہ
سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں آدمی مختلف قسم کے گناہ کرتے
اور اس کے نتایج اور سزا سے محفوظ بھی رہ جاتے ہیں۔ نہ انھیں فوراً کوئی
تکلیف پہنچتی ہے اور نہ انھیں قانونی و عدالتی سزاؤں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہزاروں چوریاں چھپ جاتی ہیں اور چوروں کو کسی قسم کی سزا سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ ہزاروں قاتل ایسے ہیں جن کے خلاف کوئی مقدمہ بھی قایم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اور ہر قسم کے گناہ، ظلم اور ستم کو دیکھئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے ان کی سزاؤں کے لئے حیات مابعدالموت کا زمانہ متعین کر رکھا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ یاد دلآیا گیا ہے کہ ”عنقریب تم غیب و شہود کا علم رکھنے والے مالک کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے جہاں تمہارے جرایم چھپائے نہیں جاسکیں گے اور تم کو اپنے برے اعمال کے لئے دردناک عذابوں میں مبتلا ہونا پڑے گا“۔

چونکہ زندگی موت پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ صرف دوسرے مرحلہ میں داخل ہوجاتی ہے اس لئے اگر کوئی مجرم اپنی اس زندگی میں سزا نہیں پاتا تو زندگی کے دوسرے مرحلہ میں سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ اسے ضرور سزا ملے گی۔ اگر اسے کہیں بھی سزا نہ ملے تو دنیا میں ہمیں جو عمل اور مکافات عمل کا قانون کار فرما نظر آتا ہے، سارا ہی بے معنی ہوکر رہ جائے۔

غفلت شاید قانون فطرت میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گناہ کے مرتکب کو یہاں دنیاوی زندگی میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی سزا ملے گی۔ غفلت کا گناہ جس مقام سے اور جس انداز کا ہوگا اس کے دنیاوی اثرات بھی اسی انداز کے ہوں گے۔ مثلاً کوئی شخص دروازے میں داخل ہوتے ہوئے غفلت کا گناہ کرے تو فوراً اس کے سر میں چوٹ لگ جائے گی۔ اگر کوئی آدمی غذا اور لباس میں غفلت کا گناہ کرے تو اپنی صحت کھو بیٹھے گا۔ اسی طرح ایک محلہ اور ایک شہر والے صفائی سے غافل ہو جائیں تو محلہ اور شہر میں وبا پھیل جائے گی۔ غفلت جب اتنا سنگین گناہ ہے تو اس کم نصیب کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو خالق کائنات ہی کی طرف سے غافل ہو جائے۔ اس کی خوشی کتنے منٹ قایم رہ سکے گی اور مرنے کے بعد اس کا کیا حال ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۱) ومن اعظم الخطایا اللسان الکذاب۔ اور بہت بڑے گناہوں میں سے ہے جھوٹ بولنے والی زبان۔

بڑے بڑے گناہ اور خطائیں تو اور بھی ہیں لیکن ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ کس قدر بری چیز ہے اس کے بیان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کی برائی اور برے نتائج فطرت انسانی کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اس جگہ خطبہ میں اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ میں دیر سے آنے کی وجہ اگر کسی سے پوچھی جائے تو عام طور سے لوگ جھوٹے بہانے کردیتے ہیں جو ایک بہت بڑی خطا ہے۔ اپنے زمانہ میں آپ اس کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو کسی جلسہ میں صدر صاحب یا مقرر صاحب سے دیر میں آنے کا عذر سنئے۔ یا کسی دفتر میں دیر سے آنے والے اہلکار حضرات کا عذر اپنے افسروں کے سامنے دیکھئے۔

(۲۲) و خیر الغنی غنی النفس۔ اور بہترین بے نیازی نفس کی بے نیازی ہے۔

انسان کے احتیاجوں کی کوئی حد و شمار نہیں، وہ مال و دولت کا ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں کا محتاج ہے۔ اتنی چیزوں کا محتاج ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی ان احتیاجوں کی تکمیل کے لئے جدوجہد میں صرف کردیتا ہے، اور اس کے بعد بھی یہی کہتا ہے کہ:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور مال و دولت کے لئے تو ہم دن رات پاپڑ بیلتے ہی رہتے ہیں اور اس کے بعد بھی کسی مرحلہ پر ہم میں غنیٰ کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ننانوے کے چکر میں گرفتار رہتے ہیں کہ اب صرف ایک اور مل جائے تو سو ہوجائیں اور سو کے بعد دوسرے سو کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم زندگی میں اطمینان اور مسرت سے محروم رہتے ہیں ۔ حرص اور لالچ زندگی بھر ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتے ۔ اور مرتے دم یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر چلے جانے کی حسرت دل میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں ۔

اس فقرہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر دولت دنیا کی بڑی سے بڑی مقدار بھی ہم مہیا کرلیں تو ہمیں خوشی کی زندگی اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک کہ ہمیں نفس کا غنی حاصل نہ ہوجائے ۔ جب انسان کے دل میں بے نیازی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو خوشی کے لمحات بڑھ جاتے ہیں ۔ یہ نہیں کہ وہ دولت دنیا کے حاصل کرنے کی سعی سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے ۔ وہ محنت کرتا ہے ۔ دولت کماتا ہے مگر اپنے دل کو اس سے اتنا وابستہ نہیں کردیتا کہ حرص پیدا ہوکر اس کے قلبی سکون اور اطمینان کو غارت کردے ۔ وہ حصول مال کی پوری جدوجہد کو اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کے فضل و رضوان کی تلاش قرار دیتا ہے ۔ وہ اپنی جدوجہد میں تقویٰ کے حدود کو نہیں توڑتا ہے ۔ وہ مطمئن رہتا ہے اور خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے ۔ جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے وہ ان طریقوں سے حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ طریقے ہیں ۔ اور جب اپنے مال کو خرچ کرتا ہے تو ان مصارف میں خرچ کرتا ہے جن کو اللہ تعالی کی خوشنودی کا پروانہ حاصل ہے ۔

(۲۳) و خیر الزاد التقوی ۔ اور بہترین زاد سفر تقوی ہے ۔

ہماری حیات کیا ہے ؟ ایک سفر اور مسلسل سفر ۔ اس مادی زندگی کی پستی سے حیات لازوال کی بلندی کی طرف، ہم پیدایش سے موت تک سفر کا ایک حصہ طے کرتے ہیں اور موت کے بعد سے قیامت اور جنت تک دوسرا حصہ۔ ہمارے اس سفر کی منزل مقصود جنت ہے ۔ سفر کے ان دونوں حصوں میں ہمیں زاد راہ اور توشہ کی ضرورت ہے ۔ ہمیں اپنی دنیاوی زندگی میں یہ موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہے کہ اپنے سفر کے ہر دو حصوں کے لئے زاد راہ اور کافی توشہ حاصل کرلیں ۔ سفر کے دوسرے حصہ میں اس کے حصول کی کوئی صورت ممکن نہیں رہے گی۔ بڑی نادانی ہوگی کہ ہم زاد سفر مہیا کرنے سے غافل رہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرہ میں یہ بتایا ہے کہ بہترین زاد سفر تقوی ہے ۔ اسی خطبہ کے دوسرے فقرہ میں تقوی کو سب سے مضبوط کڑی سے تشبیہ دی ہے ۔ مطلب یہ تھا اگر کسی نے تقوی کی مضبوط کڑی کو تھام لیا تو اس کے پھسل کر گرجانے کا خطرہ باقی نہیں رہا ۔ اب اس فقرہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص تقوی کی حدود میں رہ کر مال حاصل کرے گا۔ اور تقوی کے حدود کے اندر ہی اسے خرچ بھی کرے گا تو یہ عمل آدمی کے لئے بہترین زاد سفر ثابت ہوگا، سفر کے دونوں حصوں کے لئے۔ دنیا میں اسے اطمینان اور خوشی حاصل رہے گی اور موت کے بعد بھی وہ خوش اور مطمئن رہے گا۔ تقوی ایک نفسی کیفیت کا نام ہے جس میں آدمی اپنے ہر قول و عمل کا محتسب بن کر یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی کے بتائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے حدود سے کہیں تجاوز تو نہیں کرگیا ۔ اس سے آدمی کے دل کو یہ اطمینان و خوشی حاصل رہتی ہے کہ اس نے کوئی جرم یا نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا ۔ اس طرح ایک متقی شخص کو دونوں قسم کے خوف و ہراس سے نجات مل جاتی ہے ۔ نہ اس میں مجرمانہ ذہن کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ اس سے اس بات کا خوف باقی رہتا ہے کہ سفر کے آیندہ حصہ میں وہ زاد راہ سے خالی اور بےسہارا رہ جائے گا۔

(۲۳) و راس الحکمۃ مخافۃ اللہ عزو جل ۔

اور دانائی کا سب سے اونچا درجہ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا ہے ۔

دانائی اور حکمت اسے کہتے ہیں کہ جو قدم اٹھایا جائے وہ صحیح وقت اور صحیح مقام پر ہو اور پوری طرح سے سوچ بچار کے بعد اٹھایا جائے ۔ ہر قدم مقصود متعین کر کے اٹھایا جائے اور قبل ہی سے یہ بھی دیکھ لیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ اس حکمت اور دانائی کا سب سے بلند درجہ یہ ہے کہ آدمی یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اپنے دل و دماغ کو خوف الٰہی سے کسی وقت خالی نہ ہونے دے۔ اگر اللہ کے خوف سے دل خالی ہوا تو یہ عمل بہ ظاہر اور وقتی طور پر حکمت و دانائی تو نظر آسکتا ہے مگر یہ کوئی اونچے درجہ کی حکمت نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے قمار بازی میں یا ریس کے گھوڑوں پر رقم لگائی اور بڑی دانائی سے لگائی، اور اس نے کچھ رقم جیت بھی لی۔ لیکن چونکہ یہ خوف الٰہی سے خالی دل و دماغ کی پیدا کردہ دانائی و حکمت تھی، اس لئے اس کی نظر اس عمل کے وسیع نقصانات تک نہیں پہنچ سکی۔ اس عمل کو اونچے درجہ کی حکمت و دانائی نہیں کہا جا سکتا۔ اعلیٰ درجہ کی دانائی تو اس وقت ہوتی جب کہ وہ اس عمل کے سارے ہی اثرات پر غور کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھاتا۔ سود خواری اور قمار بازی وغیرہ وہ مجرمانہ اعمال ہیں جن کے نقصانات سارے معاشرے کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور آخرت میں سود خوار اور قمار باز پر جو عذاب ہوگا اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

اس لئے ہر وقت اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا ہی اصل حکمت و دانائی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے دو قسم کے احکام و قوانین کائنات میں جاری ہیں۔ ایک تو تکوینی قوانین ہیں مثلاً آگ جلاتی ہے۔ پانی ٹھنڈا کرتا ہے۔ آفتاب حرارت و توانائی مہیا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے تشریعی قوانین ہیں مثلاً کم تولنا گناہ ہے۔ سود خواری ناجائز ہے۔ قمار بازی حرام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان دونوں قسموں کے احکام و قوانین کو نظر میں رکھنا اور اللہ کا خوف دل میں قائم رکھنا اصل دانائی ہے۔ جیسے تکوینی قوانین کی خلاف ورزی [illegible] نادانی ہے بالکل اسی طرح تشریعی قوانین کی خلاف ورزی [illegible] ہی [illegible] دیکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے اور تشریعی قوانین کے اثرات پر غور کرنے سے جی چراتے ہیں ۔ ورنہ
ری، قمار بازی اور سودخواری کے اثرات، آتش زدگی، سیلاب اور آندھیوں کے
ںقصانات سے کم تر نہیں ہوا کرتے۔

(۲۰) وخیر ما وقر فی القلوب الیقین۔ اور بہترین چیز جو دلوں میں
جاگزین ہو یقین ہے۔

آدمی کے دل میں نہ جانے کتنے ہی قسم کے خیالات آتے ہیں۔
شک و شبہ، وسوسہ، خوف، غم، خوشی، لاپرواہی، غفلت، دل میں کیا نہیں آتا۔
لیکن ان میں سے کوئی چیز اگر قلب انسانی میں جگہ پکڑ لے تو زندگی اجیرن
ہوجائے۔ ان سب کے برخلاف اگر یقین محکم دل میں جاگزین ہو تو آدمی
کو اطمینان اور قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ کسی آدمی کے لئے بے یقینی کی کیفیت
سے زیادہ مضر اور تکلیف دہ کوئی اور کیفیت نہیں ہوسکتی، اس سے آدمی کا
حوصلہ پست، ارادہ کمزور اور دل اداس ہوجاتا ہے۔ کسی کام میں جی نہیں
لگتا، شدید قسم کا احساس کمتری طاری ہوجاتا ہے۔ ہر شخص خود اپنی حالت
پر غور کرکے یہ معلوم کرسکتا ہے کہ پہلے علم حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد
وہ دل میں جاگزین ہوتا ہے۔ پھر یقین ارادہ پیدا کرتا ہے اور ارادہ اعضا و
جوارح کو عمل کے لئے حرکت میں لاتا ہے۔ دنیا میں کسی ذی ہوش آدمی
کا کوئی ارادی عمل ایسا نہیں ہوسکتا جس کے پیچھے اس کا یقین محرک کی
حیثیت سے کار فرما نہ ہو۔ اس [illegible] انسانی اعمال کا سارا نظام [illegible]
ہے۔ آدمی جو کچھ [illegible]
نہیں تو آدمی کا [illegible]
[illegible] کی صداقت پر [illegible]
[illegible] کو بھائی [illegible]
[illegible] کی [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان پر یقین ہی کی وجہ سے نوکری بجالاتا ہے ۔ ایک طالب علم اپنے استاد کے علم پر یقین ہی کی وجہ سے کچھ سیکھتا ہے ۔

ان سب سے زیادہ محکم یقین ہمارا اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہے، ان ہی کے فرمانے سے ہم نے قرآن مجید کو اللہ تعالی کی نازل کی ہوئی کتاب مانا ہے ۔ ان ہی کے ذریعہ ہمیں حق و باطل کے مابین تمیز حاصل ہوئی ہے ۔ تعلیمات نبوی کو چھوڑ کر برائی بھلائی اور خیر و شر کے مابین امتیاز کا کوئی معیار اگر ہم زندگی بھر تلاش کرتے رہیں تو بھی نہ پاسکیں گے ۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی آدمی اپنی ماں کے بیان کو سچ مانے بغیر باپ، دادا، ماموں اور خالہ، کسی سے رشتہ نہیں قایم کرسکتا ۔ کتنی بےعقلی اور نادانی ہے کہ طبیب کی صداقت پر یقین کرکے ہم اپنی جان تو اس کے حوالہ کر دیں ۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں طرح طرح کے مین میکھ نکالنے لگیں ۔

انسان کو اپنی حیات کے ہر ہر قدم پر یقین کی ضرورت ہے، یقین نہیں تو کچھ بھی نہیں، اس کے بغیر نہ ہم قلبی اطمینان پاسکتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی قدم مضبوط ہو سکتا ہے ۔ اس طرح ہم نہ دنیا کے رہتے ہیں اور نہ دین کے ۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل میں جاگزیں ہونے والی ہر چیز سے بہتر یقین ہے ۔

(۲۶) و الارتیاب من الکفر ۔ اور شک و شبہ کفر کی ایک قسم ہے ۔

کفر کے لغوی معنی ہیں، اندھیرا ۔ اصطلاحاً یہ لفظ دین اسلام سے انکار یا عدم قبول حق کے لئے بولا جاتا ہے ۔ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اس کے مختلف مدارج ہوتے ہیں ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کفر دون کفر یعنی ایک کفر دوسرے کفر سے کم و بیش بھی ہوتا ہے ۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ عمل، کفر ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہر صورت میں اس عقیدہ یا عمل
والا انسان حلقۂ اسلام سے مطلقاً خارج ہوگیا۔ بلکہ اکثر صورتوں میں اس کا
مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ یا یہ عمل اسلام کے موافق نہیں
ہے، بلکہ کفر کے موافق ہے، یا یہ کہ ایک صاحب ایمان مسلمان کے عقیدہ
و عمل سے اس کا کوئی توافق ممکن نہیں۔

اس فقرہ میں کفر سے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنی مراد ہیں۔
اگر کوئی شخص شک و ریب میں مبتلا ہو تو اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس
کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور اسے راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔
اور چونکہ وہ دین اسلام کا بتایا ہوا راستہ قبول کرکے اسے اختیار نہیں کررہا
ہے اس لئے وہ اصطلاحاً بھی کفر کی ایک قسم میں گرفتار ہے۔ اسے توبہ کرکے
شک و ریب کو اپنے دل سے نکال دینا چاہئے تاکہ اسے نفسیاتی کشمکش سے
بھی نجات حاصل ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ ایک بندۂ مقبول کا
مرتبہ حاصل کرسکے۔

اگر خدانخواستہ کسی کو دین اسلام کے بنیادی عقاید، اللہ، اللہ کے
فرشتوں، اللہ کے رسولوں، اللہ کی کتابوں اور قیامت ہی کے بارے میں شک و
شبہ پیدا ہوجائے تو یہ مطلق کفر ہے۔ چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے
اور دنیا والے بھی اسے مسلمان ہی سمجھیں مگر وہ اللہ کے نزدیک مسلمان
نہیں ہے۔ اس کو توبہ کرکے اپنے دل و دماغ کی اصلاح کرلی چاہئے۔
لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے عقاید میں کوئی شک و ریب
نہیں ہوتا، اعمال بھی ان کے برے نہیں ہوتے مگر ان سب خوبیوں کے باوجود
وہ مختلف قسم کے اوہام میں مبتلا ہوکر شک و شبہ کی ظلمتوں میں جاپہنچتے
ہیں۔ مثلاً ایک صاحب ہیں کہ انہیں وضوء کرتے ہوئے ہمیشہ یہ شبہ
لاحق رہتا ہے کہ خدا جانے وضوء صحیح طریقہ پر ہوا یا نہیں، دوسرے صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ ان کو اپنی ہر نماز کے بارے میں یہ شبہ رہتا ہے کہ قبول ہوئی یا نہیں ۔ تیسرے صاحب ہیں کہ ان کو اپنے روزوں، زکوۃ اور حج کے بارے میں بھی شبہ رہتا ہے ۔ ایسے لوگ سود اعتمادی سے محروم رہتے ہیں اور ایمان کامل رکھنے کے بعد بھی کفر کی ظلمت میں گرفتار ہیں ۔ یہ کیفیت مومن کے دل میں نہیں پیدا ہونی چاہئے ۔ ہم نے نماز پڑھی اور اپنے علم و دانش کے مطابق بالکل صحیح پڑھی، اس کی قبولیت میں شک کرنا محض وہم بلکہ اعلی درجہ کی حماقت ہے ۔ ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہماری نماز قبول ہوئی اور یقینا قبول ہوئی ۔ اسی طرح دوسرے تمام دینی و دنیوی اعمال کو شک و شبہ سے بالاتر ہوکر انجام دینا چاہئے اور خواہ مخواہ وہم میں مبتلاء ہوکر بے دل نہیں ہونا چاہئے ۔ ورنہ یہ عادت رفتہ رفتہ خدا اور رسول کی صداقت میں شبہ پیدا کرکے ہمیں عذاب الہی کا مستوجب بنادے گی ۔

(۲) والنیاحۃ من عمل الجاھلیۃ اور نوحہ کرنا دور جاھلیت کے کے اعمال میں سے ایک عمل ہے ۔

کسی کی موت پر غمگین ہونا اور بے اختیار آنسو نکل پڑنا نہ صرف تقاضائے فطرت ہے بلکہ علامت ایمان بھی ہے ۔ یہ قابل ملامت نہیں ہے ۔ لیکن سر پر خاک ڈالنا ۔ سوگواری ظاہر کرنے کے لئے خاص قسم کی وضع لباس اختیار کرنا، مرنے والے کی خوبیاں بیان کرکرکے بین کرنا یا ایسی مجلسیں منعقد کرنا جو بین کرنے کے لئے ہوں، اسلام سے پہلے عرب کے بت پرستوں میں رائج ایک رسم تھی ۔ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سخت ناپسندیدہ عمل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا ہے ۔ اس جگہ آپ کے فرمان کا مقصود یہ ہے کہ نوحہ گری زمانۂ جاھلیت کے مراسم میں سے ایک رسم ہے اسلام کے بعد اب اسے جاری نہیں رہنا چاہئے ۔

نوحہ گری کی یہ رسم کافر اقوام میں پہلے بھی موجود تھی اور اب بھی جاری ہے ۔ یورپ میں عام رواج ہے کہ مرنے والے کے [illegible] رکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دردناک تقریر کی جاتی ہے اور لوگ نوحہ کرتے ہیں۔ اس قسم کی تقریر کرنے کے لئے اکثر یہ ہوتا ہے۔ کہ پیشہ ور مقرر اجرت پر بلائے جاتے ہیں ہندوؤں میں بھی نوحہ گری کی رسم موجود ہے اور اس کو ایک ضروری رسم قرار دیا جاتا ہے۔اس رسم کی ادائیگی کے لئے برہمنوں کا ایک پیشہ ور گروہ ہوتا ہے جس کو بہت کچھ دے دلا کر رونے اور رلانے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ بعض بستیوں میں کچھ خواتین کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کے گھر جا کر منہ پر آنچل ڈال کر بین کریں۔ ان کے گھر والے داد دھش کرکے رخصت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایشیا اور افریقہ کے مظاہر پرست قبائل میں کچھ مرد اور زیادہ تر عورتیں نوحہ گری کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اور طرح طرح سے بین کرکے روتی اور رلاتی ہیں۔ اس کام کے لئے بعض قوموں میں پیشہ ور عورتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جنہیں اجرت پر بلایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض قبائل میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اگر مردہ پر نوحہ نہیں کیا گیا تو اس کی روح سارے قبیلہ کو طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کردے گی۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے والے کی روح کو سکون و اطمینان اس وقت تک نہیں حاصل ہوتا جب تک کہ اس کی موت پر ایک مدت معینہ تک نوحہ گری نہ کی جائے۔

ظاہر ہے کہ اسلام نے حیات و موت سے متعلق جو تعلیمات ہمیں دی ہیں ان سے نوحہ خوانی اور بین کرنے کا جوڑ نہیں مل سکتا۔ اس لئے آپ نے نوحہ گری کو جاہلیت کی ایک ناپسندیدہ رسم بتا کر اس کی ممانعت فرمادی۔

(باقی)

© rasailojaraid.com